امت مسلمہ کی وسعت دامانی

ڈاکٹر حافظ احسان الحق

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (فاطر ۳۵-۳۲)

پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنا دیا ان لوگوں کو جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ اب کوئی ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے' اور کوئی بیچ کی راس ہے' اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے۔ یہی بہت بڑا فضل ہے۔

۱- ابن کثیر: حافظ عماد الدین اسماعیل ابن کثیرؒ

فرمایا: اس کتاب کو' یعنی قرآن عظیم کو' ہم نے اپنے ان بندوں کے' یعنی اس امت کے' ہاتھوں میں دیا جن کو ہم نے (اپنے پیغام کی وراثت اور اس کی امانت کا حامل بننے کے لیے) منتخب کر لیا۔ پھر ان میں تین قسم کے لوگ ہو گئے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ منتخب بندوں سے مراد امت محمدؐ ہے جو خدا کی ہر کتاب کی وارث بنائی گئی ہے۔ ان میں سے جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں' انھیں بخشا جائے گا جو درمیانہ درجہ کے ہیں' ان سے آسان حساب لیا جائے گا' جو آگے بڑھ کر اور نیکیاں کرنے والے ہیں وہ بلا حساب جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔

اکثر سلف کا یہی قول ہے' لیکن بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ظلم کرنے والے نہ تو اس امت میں داخل ہیں' نہ وہ اللہ کے منتخب کردہ ہیں' نہ وہ وارثین کتاب ہیں۔ ابن عباسؓ کا ایک اور قول ہے کہ ظالم سے مراد کافر ہیں (ابن ابی حاتم)، مجاہدؒ نے کہا کہ یہ اصحاب مشئمہ ہیں' اور حسن بصریؒ و قتادہؒ سے مروی ہے کہ یہ منافق ہیں۔ گویا یہ تین قسمیں بندوں کی تھیں' سارے انسانوں کی ہیں' اور یہ وہی تین گروہ ہیں جن کا ذکر سورۃ الواقعہ میں کیا گیا ہے۔

لیکن صحیح قول یہی ہے کہ ظالم سے مراد اسی امت کا ایک گروہ ہے۔ یہی قول ابن جریرؒ (اور زمخشریؒ) نے اختیار کیا ہے۔ آیت کے الفاظ بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ امام احمدؒ نے ابو سعید الخدریؓ اور ابو الدرداءؓ سے' طبرانی نے اسامہ بن زیدؓ سے' اور ابن ابی حاتم نے عوف بن مالکؓ سے' اسی مضمون کی احادیث روایت کی ہیں' جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا' اس امت کے قیامت کے دن تین حصے ہو جائیں گے: ایک حصہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو گا' ایک سے آسان حساب لیا جائے گا' اور ایک بڑے بڑے گناہ لے کر آئے گا' مگر شرک نہ کیا ہو گا' وہ بھی اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر انھوں نے یہی آیت پڑھی (ابن جریر)۔ حضرت عائشہؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اے بیٹے' یہ سب جنتی ہیں۔ سابق بالخیرات وہ ہیں جو رسول اللہ ؐ وہ ہیں جنھوں نے آپ کے نقش قدم کی پیروی کی اور ظالم لنفسہ میرے تمھارے جیسے لوگ ہیں (ابو داؤد الطیالسی)۔

۲ - مفاتیح الغیب: فخر الدین رازی

مفسرین کی اکثریت کا اس پر اتفاق ہے کہ مذکورہ آیت میں "کتاب" سے مراد قرآن حکیم ہے' اور اصطفینا ھم (جنھیں ہم نے چنا) سے مراد اہل ایمان ہیں۔ ظلم کرنے والے' بیچ میں رہنے والے اور نیکیوں میں سبقت لے جانے والے اہل ایمان ہی کے گروہ ہیں۔ کتاب کے وارث بھی وہی لوگ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ان کی تعلیمات سے فیض یاب ہوئے' پھر ان سے گناہ سرزد ہوئے اور یوں وہ اپنے نفسوں پر ظلم کے مرتکب ہوئے۔ مقتصد وہ لوگ ہیں جنھوں نے کچھ نیک عمل کیے اور کچھ بد عمل کیے۔ اور "سابق" نیکیوں میں سبقت لے جانے والے' وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے عمل کو اللہ کے لیے خالص کیا اور اپنے آپ کو گناہوں سے دور رکھا۔ یہاں یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ ایک مومن' جسے اللہ نے اپنا چنیدہ بندہ کہا' اور کتاب کا وارث ٹھیرایا' وہ ظالم کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مومن معصیت کرتے وقت ایمان کے منافی حالت میں ہوتا ہے اور یہی ظلم ہے۔ اسی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا' کہ زانی جب زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ اسی طرح آدم علیہ السلام نے' جو مقام اصطفیٰت پر فائز تھے' شیطان کے بہکاوے میں آنے کے بعد دعا مانگی' تو فرمایا: ربنا ظلمنا انفسنا .... الخ۔

قرآنی اصطلاح میں مومن کے ظالم اور کافر کے ظالم ہونے میں فرق یہ ہے کہ کافر ارتکاب معصیت میں اپنے جسم کے ساتھ اپنے قلب کو بھی شریک کرتا ہے' جب کہ مومن کا قلب ایمان سے اطمینان پاتا

ہے۔ لہٰذا وہ ارتکاب معصیت کے باوجود اللہ کی محبت اور اس کے احسانات کے احساس سے سرشار رہتا ہے۔ ظالم (حد سے تجاوز کرنے والے)' مقتصد (درمیان میں رہنے والے) اور سابق (نیکیوں میں سبقت لے جانے والے)' تینوں کے بارے میں مفسرین کی آرا درج ذیل ہیں۔

۱۔ ظالم وہ ہے جس کا ظاہر اس کے باطن سے بہتر ہو' مقتصد وہ ہے جس کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہو' سابق وہ ہے جس کا باطن اس کے ظاہر سے اچھا ہو۔

۲۔ ظالم وہ ہے جو کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو' مقتصد وہ ہے جو صغیرہ گناہ کرے' سابق وہ ہے جو ہر قسم کی معصیت سے پاک ہو۔ (ایسا کون ہو سکتا ہے!)

۳۔ ظالم وہ ہے جو قرآن بغیر سمجھے پڑھے اور اس کے تقاضے پورا نہ کرے' مقتصد وہ ہے جو قرآن سمجھ کر پڑھے' سابق وہ ہے جو قرآن کا عالم باعمل ہو۔

۴۔ ظالم جاہل ہے' مقتصد طالب علم ہے' اور سابق عالم ہے۔

۵۔ ظالم وہ ہے جو معاصی پر اصرار (بار بار) کرے' مقتصد وہ ہے جو نافرمانیوں پر شرمندہ ہو اور توبہ کرے' اور سابق وہ ہے جس کی توبہ قبول کر لی جائے۔

۴۔ روح المعانی: محمود آلوسی

۱۔ ظالم وہ ہے جس کی تگ و دو دنیا کے لیے ہو' مقتصد وہ ہے جس کا مقصود آخرت ہو' اور سابق وہ ہے جس کا مقصود ذات الٰہی ہو۔

۲۔ ظالم وہ ہے جس کی مصروفیات اسے آخرت سے غافل کر دیں' مقتصد وہ ہے جو دنیا و آخرت دونوں کے لیے کوشاں رہے' سابق وہ ہے جسے فکر آخرت دنیا سے غافل کر دے۔

۳۔ ظالم وہ ہے جو منکر سے نہ روکے اور خود بھی اس سے باز نہ آئے' مقتصد وہ ہے جو منکر سے روکے اور خود اس کا مرتکب ہو' سابق وہ ہے جو معروف کا حکم دے اور اس پر عمل پیرا ہو۔

۴۔ ظالم حد اعتدال سے گزرنے والا' مقتصد عدل کرنے والا اور سابق احسان کرنے والا ہے۔

باذن اللہ اس لیے فرمایا کہ نیکی کا اعلیٰ مقام اور نفس کو اطاعت کے راستہ پر ڈالنے کا عظیم کام اللہ کی توفیق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ظالم کا ذکر مقدم اس لیے کیا گیا کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' اور سابق کا ذکر موخر اس لیے کیا گیا کہ وہ اپنے اعمال پر نہ اترائے۔

۴- تدبر قرآن: مولانا امین احسن اصلاحی

یہ اس انتظام کا ذکر ہے جو اپنی ہدایت سے خلق کو بہرہ یاب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا- الذین اصطفینا من عبادنا ' سے یہاں بنی اسماعیل یا بالفاظ دیگر امیین عرب، من حیث الجماعت مراد ہیں 'جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنے وہ آخری رسول بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا 'جس کے ذریعے خلق کو آخری اور کامل شریعت ملنے والی تھی... وارث بنایا کے الفاظ اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس سے پہلے جو لوگ کتاب الہی کے وارث بنائے گئے تھے (یعنی بنی اسرائیل) سے یہ امانت چھینی اور ایک دوسرے گروہ ' جس کو اس شرف کے لیے منتخب کیا (یعنی بنی اسماعیل) کو یہ امانت بخشی-

(یہاں بنی اسماعیل میں سے) من حیث الافراد ان کا وہ رویہ بیان ہوا ہے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے جواب میں اختیار کیا- فرمایا کہ ان میں تین قسم کے لوگ ہیں- ایک تو وہ لوگ ہیں جو اپنا ایڑی چوٹی کا زور اس کی مخالفت میں صرف کر رہے ہیں- نہ خود اس کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں نہ کسی دوسرے ہی کو قبول کرنے دینا چاہتے ہیں... اسی گروہ کو یہاں ظالم لنفسہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے- یعنی یہ اپنی اس مخالفت سے اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں کہ اپنے لیے خدا کے سب سے بڑے فضل سے محرومی اور جہنم کے عذاب کا سامان کر رہے ہیں- ورنہ جہاں تک خدا کے دین کا تعلق ہے اس کو ان کی مخالفت سے کوئی گزند پہنچنے والا نہیں ہے- لفظ ظلم سے قرآن مجید میں بالعموم شرک کو تعبیر کیا گیا ہے- سورۃ الصافات میں ہے ومن ذریتھما محسن وظالم لنفسہ مبین ' اور ان دونوں (ابراہیم و اسحاق) کی ذریت میں نیکوکار بھی ہیں اور اپنی جانوں پر کھلا ظلم ڈھانے والے بھی-

مفسرین نے عام طور پر الذین اصطفینا من عبادنا سے امت مسلمہ کو مراد لیا ہے ' اور پھر اس سے یہ نتیجہ بھی معلوم نہیں کس طرح نکال لیا کہ یہ ظالمین بھی بخش دیے جائیں گے- ہم نے آیت کا صحیح موقع و محل معین کر دیا ہے- اس وجہ سے اس خیال کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہتی- ہماری تائید میں حضرت ابن عباس ؓ اور مجاہد ؒ سے روایات بھی ہیں-

ومنھم مقتصد ' یہ دوسرے گروہ کا ذکر ہے- مقتصد میانہ رو کو کہتے ہیں- یعنی یہ لوگ مخالفت تو نہیں کرتے 'لیکن آگے بڑھ کر اس دعوت حق کی حمایت کا حوصلہ بھی نہیں کر رہے ہیں- ان کا مخالفت نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو اس دعوت کے حق ہونے کا احساس ہے 'لیکن یہ احساس اتنا قوی نہیں ہے کہ وہ تمام پیش و عقب سے بالکل بے پروا ہو کر اس کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں- قرآن نے ان کے لیے یہ لفظ استعمال کر کے فی الجملہ ان کے متعلق یہ امید دلائی ہے کہ یہ لوگ ' پہلے گروہ

ظالم لنفسہ کی طرح اس نعمت سے محروم رہنے والے نہیں ہیں بلکہ دیر سویر ان کا تردد رفع ہو جائے گا اور اللہ نے چاہا تو یہ اس دعوت کے پرزور حامیوں میں سے بن جائیں گے۔

ومنھم سابق بالخیرات یہ تیسرے گروہ کا ذکر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اندر حق کا شعور اتنا قوی ہوتا ہے کہ ہر دعوت حق ان کو فوراً اپیل کرتی ہے' اور ان کی قوت ارادی اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ جب ان کو کوئی چیز اپیل کر لیتی ہے تو وہ اس کی خاطر راہ کے تمام عقبات ایک ہی جست میں پار کر جاتے ہیں' اور اس کی حمایت یا مدافعت میں کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے 'بلکہ تمام رکاوٹوں کا پوری دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے نیکی اور بھلائی کے ہر میدان میں گوئے سبقت لے جانے کے لیے سردھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ یہ اشارہ اسلام کے سابقون الاولون کی طرف ہے 'جن کے سرخیل سیدنا ابوبکر صدیق ؓ تھے۔

۵۔ تفہیم القرآن۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی ؒ

یہ مسلمان سب کے سب ایک ہی طرح کے نہیں ہیں بلکہ یہ تین طبقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔

۱۔ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سچے دل سے اللہ کی کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمانداری کے ساتھ اللہ کا رسول تو مانتے ہیں 'مگر عملاً کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پیروی کا حق ادا نہیں کرتے۔ مومن ہیں 'مگر گناہ گار ہیں۔ مجرم ہیں 'مگر باغی نہیں ہیں۔ ضعیف الایمان ہیں مگر منافق اور دل و دماغ سے کافر نہیں ہیں۔ اسی لیے ان کو ظالم لنفسہ ہونے کے باوجود وارثین کتاب میں داخل اور خدا کے چنے ہوئے بندوں میں شامل کیا گیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ باغیوں اور منافقوں اور قلب و ذہن کے کافروں پر ان اوصاف کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ تینوں درجات میں سے اس درجے کے اہل ایمان کا ذکر سب سے پہلے اس لیے کیا گیا ہے کہ تعداد کے لحاظ سے امت میں کثرت ان ہی کی ہے۔

۲۔ بیچ کی راس 'یہ وہ لوگ ہیں جو اس وراثت کا حق کم و بیش ادا تو کرتے ہیں مگر پوری طرح نہیں کرتے۔ فرماں بردار بھی ہیں اور خطا کار بھی۔ اپنے نفس کو بالکل بے لگام تو انھوں نے نہیں چھوڑ دیا ہے 'بلکہ اسے خدا کا مطیع بنانے کی اپنی حد تک کوشش کرتے ہیں 'لیکن کبھی یہ اس کی باگیں ڈھیلی بھی چھوڑ دیتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ان کی زندگی اچھے اور برے دونوں طرح کے اعمال کا مجموعہ بن جاتی ہے۔ یہ تعداد میں پہلے گروہ سے کم اور تیسرے گروہ سے زیادہ ہیں۔ اس لیے ان کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے۔

۳۔ نیکیوں میں سبقت کرنے والے' یہ وارثین کتاب میں صف اول کے لوگ ہیں۔ یہی دراصل اس وراثت کا حق ادا کرنے والے ہیں۔ یہ اتباع کتاب و سنت میں بھی پیش پیش ہیں' خدا کا پیغام اس کے

بندوں تک پہنچانے میں بھی پیش پیش' دین حق کی خاطر قربانیاں کرنے میں بھی پیش پیش اور بھلائی کے ہر کام میں بھی پیش پیش۔ یہ دانستہ معصیت کرنے والے نہیں ہیں' اور نادانستہ کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر متنبہ ہوتے ہی ان کی پیشانیاں شرم سے عرق آلود ہو جاتی ہیں۔ ان کی تعداد امت میں پہلے دو گروہوں سے کم ہے۔ اس لیے ان کا آخر میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگرچہ وراثت کا حق ادا کرنے کے معاملہ میں ان کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ "یہی بہت بڑا فضل ہے"۔ اس فقرے کا تعلق اگر قریب ترین فقرے سے مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نیکیوں میں سبقت کرنا ہی بڑا فضل ہے' اور جو لوگ ایسے ہیں وہ امت مسلمہ میں سب سے افضل ہیں۔ اور اس فقرے کا تعلق پہلے فقرے سے مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ کتاب اللہ کا وارث ہونا اور اس وراثت کے لیے چن لیا جانا بڑا فضل ہے' اور خدا کے تمام بندوں میں وہ بندے سب سے افضل ہیں جو قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اس انتخاب میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

آگے فرمایا: "ہمیشہ رہنے والی جنتیں' جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے"۔ مفسرین میں سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اس فقرے کا تعلق قریب ترین دونوں فقروں سے ہے۔ یعنی نیکیوں پر سبقت کرنے والے ہی بڑی فضیلت رکھتے ہیں اور وہی ان جنتوں میں داخل ہوں گے۔ رہے پہلے دو گروہ' تو ان کے بارے میں سکوت فرمایا گیا ہے تاکہ وہ اپنے انجام کے معاملہ میں فکرمند ہوں' اور اپنی موجودہ حالت سے نکل کر آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ اس رائے کو علامہ زمخشری نے بڑے زور کے ساتھ بیان کیا ہے' اور امام رازی نے اس کی تائید کی ہے۔

لیکن مفسرین کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اس کا تعلق اوپر کی عبارت سے ہے' اور اس کا مطلب یہ ہے کہ امت کے یہ تینوں گروہ بالآخر جنت میں داخل ہوں گے' خواہ محاسبہ کے بغیر یا محاسبہ کے بعد' خواہ ہر مواخذہ سے محفوظ رہ کر یا کوئی سزا پانے کے بعد۔ اسی تفسیر کی تائید قرآن کا سیاق و سباق بھی کرتا ہے۔ کیونکہ آگے چل کر وارثین کتاب کے بالمقابل دوسرے گروہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ "اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے جہنم کی آگ ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس کتاب کو مان لیا ہے' ان کے لیے جنت ہے' اور جنھوں نے اس پر ایمان لانے سے انکار کیا ہے ان کے لیے جہنم۔ پھر اس کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث کرتی ہے جسے حضرت ابوالدرداءؓ نے روایت کیا ہے اور امام احمد' ابن جریر' ابن ابی حاتم' طبرانی' بیہقی اور بعض دوسرے محدثین نے اسے نقل کیا ہے۔ اس میں حضورؐ فرماتے ہیں:

جو لوگ نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں وہ جنت میں کسی حساب کے بغیر داخل ہوں گے۔ اور جو بیچ کی راس رہے ہیں ان سے محاسبہ ہو گا مگر ہلکا محاسبہ۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو وہ محشر کے پورے طویل عرصہ میں روک رکھے جائیں گے۔ پھر ان کو اللہ اپنی رحمت میں لے لے گا، اور یہی لوگ ہیں جو کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔

اس حدیث میں حضور ؐ نے اس آیت کی پوری تفسیر خود بیان فرما دی ہے، اور اہل ایمان کے تینوں طبقوں کا انجام الگ الگ بتا دیا ہے۔ بیچ کی راس والوں سے "ہلکا محاسبہ" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو تو ان کے کفر کے علاوہ ان کے ہر ہر جرم اور گناہ کی جداگانہ سزا بھی دی جائے گی، مگر اس کے برعکس اہل ایمان میں جو لوگ اچھے اور برے دونوں طرح کے اعمال لے کر پہنچیں گے، ان کی نیکیوں اور ان کے گناہوں کا مجموعی محاسبہ ہو گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ ہر نیکی کی الگ جزا اور ہر قصور کی الگ سزا دی جائے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اہل ایمان میں سے جن لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہو گا وہ محشر کے پورے عرصے میں روک رکھے جائیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہنم میں نہیں ڈالے جائیں گے، بلکہ ان کو "تا برخاست عدالت" کی سزا دی جائے گی۔ یعنی روز حشر کی پوری طویل مدت (جو نہ معلوم کتنی صدیوں کے برابر طویل ہو گی) ان پر اپنی ساری سختیوں کے ساتھ گزر جائے گی، یہاں تک کہ آخر کار اللہ ان پر رحم فرمائے گا اور خاتمہ عدالت کے وقت حکم دے گا کہ اچھا، انھیں بھی جنت میں داخل کر دو۔ اسی مضمون کے متعدد اقوال محدثین نے بہت سے صحابہ مثلاً حضرات عمر، عثمان، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عائشہ، ابو سعید خدری اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے نقل کیے ہیں، اور ظاہر ہے کہ صحابہ ایسے معاملات میں کوئی بات اس وقت تک نہیں کہہ سکتے تھے جب تک انھوں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو نہ سنا ہو۔

مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے "اپنے نفس پر ظلم کیا ہے" ان کے لیے صرف "تا برخاست عدالت" ہی کی سزا ہے اور ان میں سے کوئی جہنم میں جائے گا ہی نہیں۔ قرآن اور حدیث میں متعدد ایسے جرائم کا ذکر ہے جن کے مرتکب کو ایمان بھی جہنم میں جانے سے نہیں بچا سکتا۔ مثلاً جو مومن کسی مومن کو عمداً قتل کر دے اس کے لیے جہنم کی سزا کا اللہ تعالیٰ نے خود اعلان فرما دیا ہے۔ اسی طرح قانون وراثت کی خداوندی حدود کو توڑنے والوں کے لیے بھی صاف صاف اعلان فرما دیا گیا ہے کہ وہ اصحاب النار ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اور کبائر کے مرتکبین کے لیے بھی احادیث میں تصریح ہے کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔